حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دوامِ حدیث　　قسط نمبر ۲۱

صحتِ حدیث کے متعلق

ایک اور نقطہ نظر

مقام حدیث میں ایک جگہ مودودی صاحب کی عبارت سے اپنی تائید پیش کی ہے اگرچہ وہ تائید ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی طرح ہے مگر بعض لوگوں کی غلط فہمی کا ڈر ہے۔ اس لیے ہم یہاں پہلے ان کی تائیدی عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس کی تردید کرتے ہیں۔

مولوی مودودی صاحب کی عبارت

"یہ تو اس گروہ کا حال تھا جو احادیث کی اصولی حیثیت کی بنا پر بالکلیہ رد کر دینا چاہتا۔ اب دوسرے گروہ کو لیجئے کہ دوسری انتہا کی طرف گیا ہے۔ یہ لوگ محدثین کی اتباع جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک ایک حدیث کو چھانٹ کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کسی حد تک قابل اعتبار ہے اور کون کس حد تک ناقابلِ اعتبار۔

اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیئے ہیں انہیں کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور صحت کا مرتبہ دیں۔ مثلاً جو قوی الاسناد ہے اس کے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں جسے وہ صحیح قرار دے گئے ہیں

اسے صحیح تسلیم کریں اور جس کی صحت میں وہ قدح کر گئے ہیں اس سے بالکل استناد نہ کریں۔ ان کے معروف کو معروف اور ان کے منکر کو منکر مانیں۔ رواۃ کے عدل وضبط اور ثقاہت کے متعلق جن جن آراء کا وہ اظہار کر گئے ہیں ان پر گویا ایمان لے آئیں۔ ان کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کریں مثلاً مشہور کو شاذ پر، موضوع کو مرسل پر اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے یکسر تجاوز نہ کریں۔
یہی وہ مسلک ہے جس کی مخالفت جناب پرویز کرنا چاہتا ہے اور حق یہ ہے کہ ان کی مخالفت بالکل جائز ہے۔ محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلّم۔ یہ بھی مسلّم کہ نقد حدیث کے لیے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اوّل کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیتہً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لیے جو حدیں فطرۃً اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں اس سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطرتی طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جسے وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ ظن غالب جس بنا پر ان کو حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظ درایت۔ ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ ان کا اصل موضوع ہی نہ تھا اس لیے فقیہانہ نقطۂ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہاء مجتہدین کی بہ نسبت کمزور تھے۔ بس ان کے کمال کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہیں ان میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقہ۔

اس مطلب کی توضیح کے لیے ہم ان دونوں حیثیتوں کے نقائص پر تھوڑا سا کلام کریں گے۔ کسی روایت کو جانچنے میں سب سے پہلے جس چیز کی تحقیق کی جاتی ہے

وہ یہ ہے کہ روایت جن لوگوں کے واسطے سے آئی ہے وہ کیسے لوگ ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد حیثیات سے ایک ایک راوی کی جانچ کی جاتی ہے:

* وہ جھوٹا تو نہیں ہے——؟ * روایت بیان کرنے میں غیر محتاط تو نہیں؟
* فاسق اور بدعقیدہ تو نہیں——؟ * وہمی یا ضعیف الحفظ تو نہیں——؟
* مجہول الحال ہے یا معروف الحال——؟

ان تمام حیثیات سے رواۃ کے احوال کی جانچ پڑتال کر کے محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا ہے جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر اس میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔

اوّل تو سیرت اور ان کے حافظے اور ان کی دوسری باطنی خصوصیات کے متعلق بالکل صحیح علم حاصل ہونا مشکل ہے۔

دوسرے خود وہ لوگ جو ان کے متعلق رائے قائم کرنے والے تھے انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے۔ نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔ یہ امکان محض امکان عقلی نہیں ہے بلکہ اس میں امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آگیا ہے۔

حماد جیسے بزرگ تمام علماءِ حجاز کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم نہیں۔ تمہارے بچے بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں، عطاء، طاؤس اور مجاہد جیسے فضلاء کے حق میں بھی ان کا یہی رائے ہے —— یہ حماد کون ہیں امام ابوحنیفہ کے استاد اور النخعی کے جانشین۔

امام زہری کو دیکھیے اپنے زمانے کے اہل مکہ پر ریمارک کرتے ہیں:

"ما رایت انقض لعری الاسلام من اهل مکة (میں نے اسلام کی رسی حلقہ کو توڑنے والے مکہ والوں سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔) حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ جلیل القدر علماء و صلحاء سے خالی نہ تھا۔

شعبی اور ابراہیم النخعی دونوں بڑے درجہ کے لوگ ہیں مگر ایک دوسرے پر کس طرح چوٹ کرتے ہیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ ابراہیم النخعی رات کو ہم سے مسائل پوچھتا ہے اور صبح کو لوگوں کے سامنے اپنی طرف سے بیان کرتا ہے۔

ابراہیم النخعی کہتے ہیں کہ وہ کذاب مسروق سے روایت کرتا ہے حالانکہ مسروق سے وہ ملا تک نہیں۔

ضحاک کو دیکھیے کہ ایک مرتبہ اپنی بات کی پیچ میں آکر صحابہ کرامؓ کے متعلق کہہ گئے کہ ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

سعید بن زبیر جیسے محتاط بزرگ ایک ایسے مسئلہ میں شعبی پر جھوٹ کا الزام رکھتے ہیں اور عکرمہ کے حق میں اپنے غلام سے کہتے ہیں کہ:۔

"لا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس ——"

امام مالک کی جلالت شان دیکھئے اور محمد بن اسحاق جیسے شخص کے حق میں ان کا یہ فرمانا دیکھئے کہ "ذلك دجال الدجاجلۃ" اس سے بڑھ کر عجیب یہ کہ وہ تمام علماء عراق پر سخت طعن کرتے ہیں اور ان کے حق میں فرماتے ہیں:۔

"انزلوھم منزلۃ اھل الکتاب لا تصدقوھم ولا تکذبوھم"

امام ابوحنیفہ کس قدر جلیل القدر اور محتاط فقیہہ ہیں، اعمش کے حق میں فرماتے ہیں کہ "اس نے کبھی نہ رمضان کا روزہ رکھا، نہ غسل جنابت کیا" وجہ صرف یہ تھی کہ اعمش الماء من الماء کے قائل تھے اور حذیفہ کی حدیث کے مطابق سحری کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک کس پایہ کے ثقہ بزرگ ہیں۔ ایک دفعہ ان پر بھی غلا نے نے غلبہ کیا اور امام مالک کے حق میں ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ:۔

"میں اس عالم کو نہیں سمجھتا"

یحییٰ بن معین نے تو بڑے بڑے ثقات پر چوٹیں کی ہیں۔ زہری، اوزاعی

ابوعثمان۔ النہدی، طاؤس۔ غرض اس عہد کے متعدد بڑے بڑے لوگوں پر وہ طعن کر گئے ہیں، حتی کہ امام شافعیؒ تک کے حق میں انہوں نے کہا کہ "لیس بثقة"

ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے ابن عمرؓ نے سنا کہ ابو ہریرہؓ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ فرمانے لگے کہ "ابو ہریرہؓ جھوٹے ہیں۔"

حضرت عائشہؓ نے ایک موقعہ پر انسؓ اور ابو سعید خدریؓ کے متعلق فرمایا کہ "وہ حدیث رسول اللہ کو کیا جانیں وہ تو اس زمانے میں بچے تھے۔"

حضرت حسنؓ بن علیؓ سے ایک مرتبہ وشاہد و مشہود کے معنے پوچھے گئے۔ انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی۔ عرض کیا گیا کہ ابن عمرؓ اور ابن الزبیرؓ تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں، فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔

حضرت علیؓ نے ایک موقعہ پر مغیرہؓ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دے دیا۔

عبادہؓ بن صامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعودؓ بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگا دیا حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔

اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے بلکہ ہمارا مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح و تعدیل کی ہے وہ بھی تو آخر انسان تھے۔ بشری کمزوریاں ان کے ساتھ بھی لگی ہوتی تھیں۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو۔ وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہوں۔ پھر ایک ایک راوی کے حافظا ور نیک نیتی اور صحت ضبط وغیرہ کا حال بالکل صحیح معلوم کرنا تو مشکل ہے اور ان سب سے مشکل یہ تحقیق کرنا ہے کہ ہر راوی نے روایت کے بیان میں ان تمام جزئیات کو ملحوظ بھی رکھا ہے جو فقیہانہ نقطہ نظر سے

استنباط مسائل میں اہمیت رکھتے ہیں۔

یہ فن رجال کا حال ہے۔ اس کے بعد دوسری اہم چیز مسئلہ اسناد ہے۔ محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے۔

* آیا وہ اس کا ہم عصر تھا یا نہیں ــــ؟ * ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں؟
* اور ملا تھا تو آیا اس نے یہ خاص حدیث خود اسی سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔

ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اس حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے مگر لازم نہیں کہ ہر ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا منقطع یا معضل ہیں اور اس اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ایسے ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضروری ہے کہ سنتِ نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد ملتی ہے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا۔ محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا، اس لیے ان پر اخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا اور وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا۔ اس لیے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور وہ روایات پر

اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں حالانکہ معناً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقعہ نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے مگر جو لوگ علوم شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدثین کرام صحیح احادیث سے بھی احکام و مسائل کے استنباط میں وہ توازن اور اعتدال سے ملحوظ نہیں رکھ سکے جو فقہاء مجتہدین نے ملحوظ رکھا ہے ......

اس بحث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جس طرح حدیث کو بالکلیہ رد کر دینے والے غلطی پر ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی غلطی سے محفوظ نہیں ہیں جنہوں نے حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات ہی پر اعتماد کر لیا ہے۔ مسلک حق ان دونوں کے درمیان ہے اور وہ وہی مسلک ہے جو ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالک کا ہے باوجودیکہ اخباری نقطہ نظر ان پر زیادہ غالب ہے مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتوے دینے پر مجبور کر دیا جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریباً ستر مسئلے اس نوعیت کے نکالے ہیں۔ امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں[1]

---

[1] مقام حدیث ص ۸۷ سے ۹۶ تک